© rasailojaraid.com

قسط:۱۱

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد

حکومت کا جشنِ فتح‘ تاریکی میں ڈوب گیا:

دہلی میں ان دنوں سیاسی فضا میں بلا کی کشیدگی تھی۔ ایک زبردست تحریک تھی، جس نے آئے دن جلسوں اور جلوسوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ مسلم لیگ‘ کانگریس، مجلس احرار اسلام اور دوسری سیاسی جماعتیں بڑی فعال نظر آتی تھیں۔ برطانوی حکومت کو بھی اس بات کا شدید احساس ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں ان کے اقتدار کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اگرچہ سیاسی جماعتوں کا مؤقف اور مشن ایک دوسرے سے جُدا اور مختلف تھا۔ تاہم ایک بات سب میں مشترک تھی کہ ہندوستان کو آزادی دی جائے اور انگریز اس سرزمین سے واپس چلے جائیں۔ اختلاف اگر تھا تو اس بات پر کہ اس آزادی کی کیا شکل اور کیا صورت ہو، دوسری جنگ عظیم میں جرمنی نے تو پہلے ہی اپنی شکست کا اعتراف کر لیا تھا۔ لیکن اس کا دوسرا بڑا اتحادی جاپان ابھی تک برطانوی سلطنت کے خلاف جنگ لڑ رہا تھا اور اس جنگ میں بلا کی شدت پیدا ہو چکی تھی۔ پرانی ہار پر جاپانی فضائی طاقت نے امریکی فضائی طاقت کو زمین پر ہی تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ برطانوی سمندری بیڑہ جاپان سے ملحقہ سمندر میں جاپانی فوج کا شکار ہو کر سمندر کی لہروں کی نذر ہو چکا تھا۔ اِدھر برما کی سرحد پر سبھاس چندر بوس کی کاوشوں سے ہندوستان کے ہندو، مسلم، سکھ فوجی، برطانوی حکومت سے بغاوت کر کے آزاد ہند فوج کے نام سے برطانیہ کے خلاف جاپانی فوج کا ساتھ دے رہے تھے۔ جاپان سے ہی انہیں اسلحہ اور دوسرے جنگی ساز و سامان مہیا ہو رہا تھا۔ اس بغاوت نے بھی برطانوی حوصلوں پر منفی اثر ڈالا۔ ہر طرف سے برطانیہ اور امریکہ دونوں جرمنی کی شکست کے باوجود عجیب و غریب نامساعد حالات میں گھرے ہوئے تھے۔ جاپانی فضائیہ کے جہازوں نے ہندوستانی شہروں پر بھی بمباری شروع کر دی تھی۔ کلکتہ کا شہر کئی بار جاپانی فضائیہ کا نشانہ بنا۔ یہ حالات تھے جن میں امریکی حکومت نے جاپان پر ایٹم بم گرانے کا فیصلہ کیا۔ امریکہ کو اس بات کا شدید احساس ہو چکا تھا کہ جاپانی فوج اس بے جگری کے ساتھ لڑ رہی ہے کہ انہیں ایٹم بم استعمال کیے بغیر قابو نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ”ہیروشیما اور ناگاساکی“ دو جگہوں پر یہ بم گرائے گئے جس کے نتیجے میں لاکھوں جاپانی لقمۂ اجل بنے اور لاکھوں ہی اپاہج اور مختلف بیماریوں کا شکار ہو گئے۔ اس سانحہ کے بعد جاپان نے بھی اعترافِ شکست کر لیا اور اس طرح برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ دوسری جنگِ عظیم میں اگرچہ برطانیہ نے یہ عظیم فتح حاصل کر لی تھی لیکن تحریکِ آزادیٔ ہند اپنے پورے عروج پر تھی اور اس میدان میں برطانوی حکومت کو اپنی شکست سامنے نظر آ رہی تھی۔ محکمۂ ڈاک کی پورے ہندوستان میں ہڑتال اور نیوی (بحری فوج) کی ہڑتال نے برطانوی حکومت کو یہ یقین دلا دیا کہ ہندوستان پر اُن کی حکومت کے دن تھوڑے ہیں۔ اس کے علاوہ عام ہندوستانیوں میں انگریزوں کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت نے بھی برطانوی حکومت کو بے چین کر کے رکھ دیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف ہندوستان کے لوگوں کے تأثرات برطانوی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر واضح ہو چکے تھے۔ دہلی کے حالات سے بھی یہ بات واضح ہوتی تھی کہ برطانوی حکومت، ہندوستان سے اپنا بوریا بستر باندھنے پر مجبور ہو چکی ہے، اِن حالات میں برطانوی حکومت نے جاپان کی شکست پر دہلی میں جشنِ فتح منانے کا اعلان کر دیا۔ جس نے دہلی کے لوگوں میں انگریزی اقتدار کے خلاف نفرت کی آگ پر تیل کا کام کیا۔ اس کے باوجود جشن فتح منانے کی تیاریاں بڑے دھوم دھام سے شروع ہو گئیں، لیکن دوسری طرف اس جشن کو ناکام بنانے کے لیے بھی پروگرام وضع کر لیے گئے۔ جس روز جشن منایا جانا تھا اس روز شہر میں مکمل ہڑتال کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان تمام سیاسی جماعتوں کی طرف سے کیا گیا۔ اس روز تمام دکانیں بند ہو گئیں۔ چاندنی چوک اور بلی ماراں کی پوری آبادی جس میں ہندو، مسلمان، سکھ سبھی شامل تھے صبح ہوتے ہی سڑکوں پر نکل آئے ۔ لوگوں کی ٹولیاں انگریزی حکومت کے خلاف نعرے لگاتی اِدھر سے اُدھر متحرک نظر آئیں۔ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں ، تاکہ پولیس کے تعاقب سے محفوظ رہا جا سکے۔ عوام نعرے لگاتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ ہر سرکاری عمارت جسے دلہن کی طرح سجایا گیا تھا عوامی توڑ پھوڑ کا شکار ہو رہی تھی ۔ چاندنی چوک کے دونوں طرف کے درختوں پر برقی قمقمے جنہیں رات کو جگمگانا تھا، عوام کے ڈنڈوں کی زد پر تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ عوامی جذبات میں شدت پیدا ہو رہی تھی۔ سرکاری عمارتوں پر حملے شروع ہو گئے ۔ بجلی گھروں کو جلا دیا گیا۔ پولیس بار بار حملہ آور ہوتی۔ اشک آور گیس کی بارش کر دی گئی لیکن لوگ احتجاج کرنے سے باز نہ آئے۔ کئی جگہوں پر گولی بھی چلائی گئی، کئی افراد ہلاک ہوئے لیکن لوگوں کا جوش وخروش تھمتا نظر نہ آتا تھا۔ سیکڑوں زخمی ہوئے، ٹیلی فون اور بجلی کے تار کاٹ دیئے گئے ۔ سڑک کنارے بجلی کے کھمبے دہرے کر دیئے گے، غرضیکہ پورا دن پولیس اور عوام کے درمیان ایک مسلسل جنگ کی صورت برقرار رہی اور اسی کشمکش میں شام ہو گئی۔

ایک تاریخی رات:

شام ہوتے ہی تاریکی نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ روشنی کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ تاریکی میں ڈوبا ہوا دہلی، انگریزی حکومت کے جشنِ فتح کا منہ چڑا رہا تھا۔ جشنِ چراغاں اندھیرے میں ڈوب گیا اور یہ تاریک رات اپنی نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے ویسی ہی تھی جب 1857ء کی جنگ آزادی میں جنرل ہڈسن کی قیادت میں دہلی والوں پر ظلم وستم کی انتہاء کر دی گئی تھی۔ بے پناہ تشدد اور قتل وغارت کر کے دہلی والوں کو نشانہ عتاب بنایا گیا تھا۔ 90 سال پہلے کی اُس رات کے اندھیرے اور آج کی اس رات کے اندھیرے میں ایک فرق ضرور تھا کہ وہ ظلم اور غلامی کے آغاز کا اندھیرا تھا اور آج کی اس رات کا اندھیرا آزادی کی صبح صادق سے ذرا پہلے کا اندھیرا تھا۔ اس غلامی کے اندھیرے کو آزادی کی روشنی میں تبدیل کرنے کے لیے ایک طویل جدوجہد کا عمل دخل رہا۔ پاک وہند کی غلام فضا میں سانس لینے والوں کو آزاد فضاؤں سے روشناس کرانے کے لیے نہ جانے کتنی قربانیاں دینی پڑیں۔ آزادی کی اس جدوجہد اور تگ ودو میں کتنی جوانیاں کام آئیں، کتنے بڑھاپے بے سہارا ہوئے اور نہ جانے کتنے سہاگ اجڑ گئے ۔ اس جنگ میں بے شک اللہ کے فضل وکرم سے مجلس احرار اسلام کا حصہ وافر ہے۔ اکابر احرار کی ولولہ انگیز قیادت نے انگریز دشمنی کا وہ بیج لوگوں کے دلوں میں بویا کہ برطانوی تشدد کے سایہ میں بھی وہ ایک ایسا تناور درخت بن گیا تھا جسے جڑ سے اکھاڑنا انگریزوں کے بس سے باہر تھا اے کاش آزادی کی یہ نعمت احیائے اسلام اور اتحاد بین المسلمین کا ذریعہ بنتی ۔ لیکن وہ لوگ جو اس جنگِ آزادی میں شریک نہ تھے انہوں نے اس ملک میں برسرِ اقتدار آ کر اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دشمنوں کی منشاء کے عین مطابق ایسا نہ ہونے دیا اور یہ ایک ایسا المیہ ہے جس پر جتنے بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔

جس صبح کا وعدہ تھا اس دیس کے لوگوں سے
اے کاش کبھی خالدؔ وہ بھی تو سحر آئے

چنیوٹ واپسی 1946ء

دہلی میں قیام کے دوران میں نے بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سنا، مقتدر سیاسی رہنماؤں کو دیکھا اور ان کی تقریروں سے استفادہ بھی کیا۔ سیاسی حالات پر نظر بھی رہی اور سیاست کے زیروبم بھی میرے سامنے رہے۔ ارادہ واپسی کا تو نہ تھا لیکن پنجاب سے گئے کافی دن ہو چکے تھے اس لیے اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے واپس آنا پڑا۔ یہ واپسی کوئی مستقل واپسی نہ تھی بلکہ عارضی تھی کہ دہلی میں والد محترم کا کاروبار بڑے پیمانے پر آگے بڑھ رہا تھا اور ہم وہاں پر بڑے خوش تھے۔ دہلی سے جب ہم چلے تو ذہن میں یہی تھا کہ ایک آدھ ماہ کے بعد واپس آجائیں گے لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ حالات ایسا رُخ اختیار کر گئے کہ ہم واپس دہلی نہ جاسکے اور واپسی کی یہ حسرت پوری نہ ہوئی۔ بہرحال دہلی میں قیام کے دوران میں نہ تو مولانا ابوالکلام کی زیارت کر سکا اور نہ ہی تاج محل آگرہ دیکھ سکا۔ تاج محل کے لیے کئی بار پروگرام بنا لیکن ملتوی ہوتا رہا اور مولانا کو دیکھنے کی آرزو کا بھی والد صاحب سے ذکر کیا تو وہ جواب میں یہی کہتے کہ تمہیں مولانا آزاد کی تقریر سننے کی کیا پڑی ہے تم میں تو اتنی صلاحیت ہی نہیں کہ ان کی تقریر کو سمجھ سکو۔ وہ خود تو مولانا کی تقریر سننے کے لیے چلے جاتے تھے لیکن مجھے ساتھ لے جانے پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ بہرحال دہلی سے واپسی پر ہم چند دن لاہور میں والد محترم کے عزیز دوست خضر تمیمی ایڈووکیٹ کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ لاہور کی خوب سیر کی اور پھر ہم چنیوٹ چلے آئے۔ وہی دادا جان کا مکان، وہی گلیاں اور بازار، جہاں میں نے چند سال پہلے اپنی جماعتی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ میں تپِ محرقہ (میعادی بخار) میں مبتلا ہو گیا۔ یہ دن میرے اور میرے گھر والوں کے لیے انتہائی مشکل اور تکلیف دہ تھے۔ ان دنوں اس بخار کا کوئی علاج نہ تھا، صرف پرہیز ہی تھی کھانا بند، صرف آلو بخارے پر گزارہ تھا۔ تین چار ماہ تک بستر پر پڑا رہا۔ سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ رنگ سیاہ۔ کبھی شیشے میں اپنا منہ دیکھتا تو خود ہی رو پڑتا تھا۔ یہ دن بھی گزر گئے، صحت آہستہ آہستہ بحال ہونے لگی اور ہم لوگ دہلی واپسی کا سوچنے لگے تو فسادات کی خبروں نے ارادے کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ فسادات آہستہ آہستہ اپنے عروج پر پہنچ گئے، ہر طرف سے قتل و غارت کی خبریں، مسلمانوں کا قتل عام، ادھر ہمارے پنجاب میں بھی اکا دُکا وارداتیں شروع ہو گئیں تو دہلی جانے کے تمام امکان ختم ہو گئے۔ میرے تندرست ہونے کی خوشی میں جماعت نے بڑی خوشی منائی، مجھے مبارک دی اور ہر ایک رضا کار نے مجھے مل کر ایک ہی بات کہی کہ ہم تو تمہاری صحت اور شفایابی سے مایوس تھے اور غمزدہ بھی تاہم اللہ نے کرم کیا اور تم شفایاب ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے دفتر پر کھڑا کر کے تمام رضا کاروں نے سلامی دی اور بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

1946ء میں کانگریس، مسلم لیگ کا انتخابی معرکہ:

غالباً 1946ء کا آخر تھا کہ ملک میں انتخاب کرایا گیا۔ یہ انتخاب اس لحاظ سے بڑا اہم تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کا مؤقف جُدا جُدا تھا۔ ان دونوں جماعتوں کے مؤقف میں درست اور صحیح مؤقف کس کا ہے اس کا دارومدار اسی انتخاب پر تھا۔ کانگریس متحدہ ہندوستان چاہتی تھی، جبکہ مسلم لیگ پاکستان کے لیے سرگرم تھی۔ کانگریس کا مؤقف یہ تھا کہ وہ ہندوستان بھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کی نمائندہ جماعت ہے جبکہ مسلم لیگ کا دعویٰ یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اور پاکستان اس کا نصب العین اور منزل مراد ہے۔حکومت نے 1936ء کے بعد 1946ء میں الیکشن کا اعلان کر دیا تھا تا کہ دونوں کے درمیان مقابلہ ہو اور فیصلہ ہو جائے کہ کیا مسلم لیگ واقعی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے یا پھر کانگریس کا مؤقف درست ہے کہ وہ ہندوستان کے ہندوؤں مسلمانوں اور سکھوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

چونکہ اس انتخاب پر مستقبل کا فیصلہ ہونے والا تھا اس لیے اس کی اہمیت ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں واضح تھی اور یہی سبب تھا کہ دونوں جماعتیں بڑے زور وشور کے ساتھ انتخابی مہم میں دن رات بڑی محنت کر رہی تھیں۔اس انتخاب کا چرچا اور اس کی تیاریاں پہلے انتخاب 37-1936ء سے بڑھ کر ہو رہی تھیں۔ جلسے، جلوس، پریس کانفرنسیں، تقریریں، تحریریں ان دنوں اسی موضوع پر تھیں قوم کے اعصاب پر یہ انتخاب پوری شدت کے ساتھ سوار تھا۔

37-1936ء کے انتخابی نتائج جو سامنے آئے وہ کچھ اس طرح تھے کہ ہندوستان کے سات صوبوں میں کانگریس جیت گئی تھی اور وہاں پر کانگریس کی حکومت بنی۔ مسلم لیگ نے 498 مسلم نشستوں میں سے صرف 108 مسلم نشستوں پر کامیابی حاصل کی جبکہ کانگریس کو 836 سے 715 پر کامیابی ہوئی۔انتخاب جُدا گانہ تھے اور مسلمانوں کے حلقہ ہائے انتخاب الگ تھے لیکن جب 1946ء کے انتخاب کے نتائج سامنے آئے تو مسلم لیگ نے 498 مسلم نشستوں میں سے 428 نشستیں حاصل کر لیں اور مرکزی نشستیں جن کی تعداد 30 تھی ساری کی ساری مسلم لیگ نے جیت لیں۔

دونوں انتخابات کے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ مسلم لیگ کی اس کامیابی کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ 1946ء کے انتخابات سے پہلے مسلم لیگ کے جلسوں میں پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ کام کر گیا۔ ورنہ 1936ء کے انتخابات میں یہی مسلم لیگ تھی اور مسٹر جناح ہی قائد تھے اور مسلمان ووٹر بھی وہی تھے لیکن وہ نتائج حاصل نہ کر سکے جو مسلم لیگ کے حق میں 1946ء انتخابات میں سامنے آئے۔ لوگوں نے مسلم لیگ کو نہیں بلکہ لا الٰہ الا اللہ کے نعرے کو ووٹ دیئے۔ یہ انتخاب جنرل ضیاء الحق کے ریفرنڈم سے مماثلت رکھتا ہے کہ جس میں ضیاء الحق نے کہا تھا کہ اگر اسلام چاہتے ہو تو میری صدارت کے حق میں ووٹ دو اور لوگوں نے اسلام کے نام پر ضیاء الحق کو ووٹ دے کر اس کی صدارت کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ نہ مسلم لیگ اسلام کے نام پر ووٹ حاصل کر کے پاکستان میں اسلام نافذ کر سکی اور نہ ہی جنرل ضیاء الحق یہاں اسلام نافذ کر سکا اور یہ ممکن بھی کیسے تھا۔ جبکہ پاکستان کی پہلی کابینہ میں وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل تھے جو بھاگ کر کلکتہ چلے گئے۔ وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان قادیانی، پہلا کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس ڈیوڈ گریسی (فروی 1948ء۔ اپریل 1951ء) بھی انگریز تھا جس نے مسٹر جناح کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا اور پنجاب کا پہلا گورنر سر فرانسس موڈی بھی انگریز ہی تھا جس نے چناب کے کنارے قادیانیوں کو لیز پر زمین دے کر قادیانیوں کو مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر دیا جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔

مجلس احرار نے بھی اس انتخاب میں حصہ لیا تھا۔ کئی جگہوں پر نمائندے کھڑے کیے گئے لیکن نتائج وہی تھے۔ جن کی توقع کی جا رہی تھی۔ لوگوں نے اسلام کے نعرے پر مسلم لیگ کو ہی ووٹ دیا کسی دوسری جماعت کو درخور اعتنا سمجھا ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ گیا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اس انتخاب کے سلسلے میں چنیوٹ تشریف لائے۔ مظہر نواز خان درانی کو اپنے ساتھ لائے جو ملتان کے حلقہ سے احرار کے نمائندے کے طور پر انتخاب میں حصہ لے رہے تھے۔ اسی جلسہ میں، مَیں نے پہلی بار خواجہ عبدالرحیم عاجز مرحوم کو دیکھا اور ان کی نظم ''لڑناں لڑناں احرار نے الیکشن والا جنگ'' سنی۔

فرقہ واریت:

1947ء کے تاریخی اور قیامت خیز سال کی آمد سے پہلے ہی ہندوستان میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک چکی تھی۔ سال کے اوّلین ایام میں کلکتہ نواکھلی، بہار، گڑھ مکیشر، اور دہلی میں خوفناک فسادات شروع ہو گئے تھے۔ شروع شروع میں گاندھی اور حسین شہید سہروردی نے ہندو مسلم دونوں فرقوں سے فسادات بند کرانے کی اپیل کی اور فساد زدہ علاقوں کا دورہ بھی کیا تا کہ امن قائم ہو جائے لیکن ایسا نہ ہوا اور فسادات کی آگ بڑھتی ہی چلی گئی۔ دہلی سے پنجاب تک کا علاقہ فسادات کی زد میں آ گیا، یہ ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ اگست ستمبر تک جاری رہا جس میں لاکھوں لوگ لقمۂ اجل بنے۔ ہزاروں عصمتیں برباد ہوئیں، لاکھوں بچے یتیم ہوئے، ہزاروں بڑھاپے بے سہارا ہوئے اور لاکھوں افراد بے گھر ہو گئے۔ مسلمانوں کی عسکری تنظیمیں احرار اور خاکسار مسلمانوں کی مدد کے لیے اپنی جانوں پر کھیل گئے، احرار رضا کاروں کے دستے بہار تک مسلمانوں کی مدد کو پہنچے اور بے سہارا مسلمانوں کے لیے ہر ممکن مدد کا ذریعہ بنے۔ لیکن فسادات نہ رک سکے۔ فسادات کا یہ عرصہ ہر لحاظ سے گھناؤنا، وحشیانہ اور انسانیت سوز تھا۔ مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا۔ سکھوں نے ہندوؤں کے جھانسے میں آ کر مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جس کی ذمہ داری اس وقت کے سکھ رہنما ماسٹر تارا سنگھ پر عائد ہوتی ہے جس نے لاہور میں پنجاب اسمبلی کے باہر کرپان نکال کر مسلمانوں کے خلاف اور پاکستان کے خلاف ایک اشتعال انگیز تقریر کی۔

مسلم لیگ کی اکلوتی سول نافرمانی کی تحریک:

ان فسادات کے علاوہ پنجاب میں ایک اور اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ پنجاب کی یونینسٹ پارٹی کے سربراہ خضر حیات ٹوانہ نے کانگریس کے ساتھ مل کر وزارت بنالی اور مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا۔ خضر حیات ٹوانہ نے برسرِ اقتدار آتے ہی مسلم لیگ کے قومی رضا کاروں کی عسکری تنظیم ''نیشنل گارڈ'' کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔ اس پر مسلم لیگ نے سخت احتجاج کیا۔ جب اس احتجاج سے کچھ نہ بنا تو پھر مسلم لیگ نے پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی جو مسلم لیگ کی پوری تاریخ میں پہلی اور آخری سول نافرمانی کی تحریک تھی۔ جو صرف سات دن تک جاری رہی۔ اس تحریک میں مسلم لیگ پنجاب کے رہنما سردار شوکت حیات اور نواب افتخار حسین ممدوٹ وغیرہ بھی گرفتار کر لیے گئے۔ اِن کے علاوہ سیکڑوں مسلم لیگی کارکن گرفتار ہوئے۔ جلسے، جلوس، ہڑتالیں کی گئیں اور عورتوں کے جلوس بھی نکالے گئے۔ اسی تحریک میں سول سیکرٹریٹ لاہور پر مسلم لیگ کا پرچم ایک عورت نے لہرایا اور خضر حیات نے استعفیٰ دے دیا۔ اس طرح مسلم لیگ کی سیاسی زندگی کی یہ اکلوتی تحریک اپنے اختتام تک پہنچی۔

14 / اگست ۱۹۴۷ء کی اہمیت تاریخ کے آئینے میں:

14 / اگست 1947ء کا دن اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس دن ہندوستان کے مسلمانوں کی تحریک کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ مسلمانوں نے ہندوستان کے اندر ایک مضبوط و مستحکم اسلامی ریاست کا خواب جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں دیکھا تھا اس کی ادھوری تعبیر قیامِ پاکستان کی صورت میں سامنے آئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ:

اکبر کے دینِ الٰہی کی سرکوبی کے لیے حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ سامنے آئے جو حضرت خواجہ عبداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین تھے۔ جن کی دینی خدمات کو علامہ اقبال اس طرح خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دین الٰہی کو قبول کرنے والے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے ایک رسالہ بھی تحریر کیا جس کا نام ”اثبات النبوّت“ ہے جس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بہ دلائل عقلیہ و نقلیہ ثابت کیا۔ ابوالفضل اور فیضی نے جس دین کی داغ بیل ڈالی تھی اس پر ایمان لانے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا کوئی ضروری نہ تھا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ:

ہندوستان میں ملّت اسلامیہ پر جب مشکل وقت آیا تو شاہ ولی اللہ آگے بڑھے۔ اُس دور میں مرہٹے ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آئے، شاہ ولی اللہ کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر کفر کی اس یلغار کو نہ روکا گیا تو مرہٹے برسرِ اقتدار آ کر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے مصیبت کا باعث بن جائیں گے اور اس طرح اسلاف کی وہ کوششیں رائیگاں جائیں گی جو وہ تبلیغ اسلام اور حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے سرانجام دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی اور اندرون ملک نجیب الدولہ کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے مامور کیا۔ 1761ء میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکستِ فاش ہوئی جس کے ساتھ ہی اسلام کے خلاف یہ حملہ بھی ناکام ہو گیا اور دین کے بنیادی اصولوں کے دفاع کا کام اللہ کے نیک بندوں کے ذریعے جاری رہا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد 1857ء کی جنگِ آزادی کا دور اہل اسلام کے لیے ایک نئی افتاد اپنے ساتھ لایا انگریز عیّاری اور مکّاری سے کام لے کر ہندوستان کے اندر اپنی سیاسی قوت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ اُس دور میں بھی مسلمانوں نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر کبھی سراج الدولہ کی قیادت میں دادِ شجاعت دی تو کبھی 1899ء میں سلطان ٹیپو شہید کی قیادت میں انگریزی جبر و اقتدار کے ساتھ ٹکرا گئے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہندوستان کے اندر مسلمانوں کو غیر ملکی غلامی کے دن دیکھنے تھے۔ اپنوں کی غداری کی وجہ سے جہاد کی یہ کوششیں بظاہر ناکام ہو گئیں۔ میر جعفر اور میر صادق اپنے ذاتی مفاد کے لیے ملّی مفاد سے غداری کے مرتکب ہو کر قیامت تک کے لیے معتوب و مردود ہو گئے۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملّت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیداحمد شہیداور شاہ اسماعیل شہید کی تحریکِ حریّت نے اہلِ اسلام کی ڈھارس بندھائی۔انہوں نے کمال ہمت سے کام لے کر قبائلی علاقے سے پنجاب کی اُس وقت کی اسلام دشمن سکھ حکومت سے جہاد بالسیف کیا اور پشاور تک کا علاقہ دشمنوں سے چھین لیا۔ جہاں اسلامی حکومت کو عملی طور پر نافذ کیا گیا۔لیکن یہاں بھی اپنے ہی آڑے آئے۔سکھوں کے ساتھ مل کر ہندوستان کے غدار مسلمانوں نے اس عظیم طاقت کو تباہ و برباد کر دیا۔ جو پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزی اقتدار کو ہندوستان سے ختم کر کے یہاں حکومت الٰہیہ کا نفاذ چاہتی تھی۔

مئی 1831ء میں سرفروشانِ اسلام کا یہ قافلہ بالاکوٹ کے مقام پر قربان ہوگیا اور یوں اپنے پیچھے اہلِ جنوں کے لیے گہرے نقوش چھوڑ گیا۔ بقول حضرت سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ:

تیری آمد طلوعِ مہرِ زندگی ، تیرا جانا قیامت سے کچھ کم نہ تھا
دیس کے غدار کچھ تیرے قاتل بنے ، ورنہ کچھ بھی تو اِس موت کا غم نہ تھا
تونے جامِ شہادت کیا نوش جب ، لوگ سمجھے کہ حق بھی فنا ہوگیا
درحقیقت وہ اِک عہدِ ایثار تھا ، لاج تونے رکھی وہ وفا ہوگیا

1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر شوق شہادت پورا کیا۔ جنرل بخت اور جنرل احمد اللہ کے کارنامے وہ کارنامے ہیں جن کو گزرتے وقت کا سمندر بھی اپنی گہرائیوں میں ہرگز نہ چھپا سکے گا۔

ان کے بعد شاہ عبدالعزیز دہلوی نے پرچم اسلام سنبھالا۔درس و تدریس کے ساتھ اُنہوں نے انگریزوں کے خلاف نفرت کو آگے بڑھانے کا کام بھی جاری رکھا۔ پھر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور اُن کے شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ آگے بڑھے۔انگریزوں کے خلاف جہاد کیا اور اپنے شاگردوں میں انگریزوں کی غلامی کے خلاف تحریک کو بھی جاری رکھا۔ پھر شیخ الہند مولانا محمود حسن میدان میں آئے، تحریک ریشمی رومال کے ذریعے انگریزی حکومت ختم کر کے اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کٹھن جدوجہد کی اور کالا پانی کی سزا کاٹی۔ پھر شیخ الہند کے نام ور شاگردوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا، یہ سب اپنی جانوں پر کھیل گئے لیکن انہوں نے اپنے اسلاف کی شروع کی ہوئی جنگ آزادی اور تحریک احیائے اسلام کو کبھی نظر انداز نہ کیا۔ مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا احمد علی لاہوری اِنہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے انگریزی اقتدار کو عمر بھر للکارتے رہے اور قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرتے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

یہ قافلۂ اہل جنوں عشق کی راہوں پر اکابر اسلام کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ پھر پرچم آزادی مجلس احرار کے قائد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جن میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، آغا شورش کاشمیری، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا محمد گل شیر شہید، مولانا مظہر علی اظہر نمایاں ہیں۔ راہِ حق و صداقت پر چلتے ہوئے ہر ہر نوع کی مشکلات کے باوجود برطانوی اقتدار کو للکارنے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کی اور بالآخر انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ حقیقت ہے اور کوئی ذی شعور اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت خواجہ عبداللہ احرار سے لے کر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی جماعت مجلس احرار تک، سب تحریکِ حریّت اور تحریک احیائے اسلام کے ساتھ وابستہ رہے۔ قیامِ پاکستان صرف مسلم لیگ کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھا نہ ہے۔ اے کاش پاکستان بن جانے کے بعد وہ مقاصد بھی پاکستانی رہنماؤں کے سامنے رہتے جن کے لیے ہمارے اسلاف نے اتنی طویل اور کٹھن جدوجہد جاری رکھی اور وہ مقاصد احیائے اسلام اور اتحاد بین المسلمین ہی ہیں۔ یاد رہے کہ پاکستان، ہندوستان کے مسلمانوں کی منزلِ مقصود نہیں بلکہ مقاصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ منزل احیائے اسلام اور اتحاد بین المسلمین ہے اسی کو نظریہ پاکستان بھی کہتے ہیں۔ ورنہ تو سب کچھ علاّمہ اقبال کے اس شعر کے مصداق ہے۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com